5 MAY 1959

# تاثرات

تعلیمی کمیشن اپنے نہج سے کام کر رہا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی سفارشات کا انداز کیا ہو گا۔ اور تعلیم کے موجودہ ڈھانچہ میں کیا بنیادی اور اساسی تبدیلیاں بر روئے کار لائی جائیں گی۔ لیکن اتنا بہر حال واضح ہے کہ موجودہ نظام فرسودہ بے کار اور صلاحیتوں کو ضائع کرنے والا ہے۔ تعلیم کا مسئلہ ہر ہر ملک میں پہلا اور اولین مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی سے خیالات کا سانچہ تیار ہوتا ہے۔ اسی سے قومیت و مذہب کے بارہ میں ایک مخصوص قسم کا ذہن پیدا ہوتا ہے۔ یہی طلبہ میں زندگی کی لہر دوڑاتا ہے اور اس قابل بناتا ہے کہ اس کار زارِ حیات میں بے مردانہ وار اتر سکیں اور مشکلات و موانع پر قابو پا سکیں۔ اگر نظامِ تعلیم معقول ہے اور ملکی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ قوم بھی معقول ہے اور اس میں بھی قومی روح زندہ اور بیدار ہے۔ اور اگر اس کے برعکس نظامِ تعلیم کی ترتیب میں ملکی و ملی تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا تو اس کے نتیجے میں جو پود معرضِ ظہور میں آئے گی اس سے کوئی اونچی توقع وابستہ نہیں کی جا سکتی۔ لہذا تعلیم کے بارہ میں مقصد اور نصب العین کا تعین، بہت ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کس نوع کی تعلیم چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے ہمارا ملک ایک نو زائیدہ مملکت ہے۔ اس کی ایک خاص آئیڈیالوجی ہے۔ اس بنا پر اس کے لیے ہمیں مخصوص ذہن و سیرت کے اشخاص پیدا کرنا ہے جو اس کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکیں۔ اور اس آئیڈیالوجی کو عمل کے سانچوں میں ڈھال سکیں۔ مزید براں ان کی کچھ اس ڈھنگ سے تربیت ہونا چاہیئے کہ ایک طرف تو علوم و فنون کے معیار سے یہ کسی مغربی قوم سے پیچھے نہ رہیں اور دوسری طرف اپنے ملک کی محبت میں سرشار ہوں، کام کرنے کا بے پناہ ولولہ رکھتے ہوں اور ایسی صلاحیتوں سے مالا مال ہوں کہ صرف ملازمتوں ہی کے بل بوتے پر زندگی بسر کرنے کے عادی نہ ہوں بلکہ اپنے لیے معاش کی نئی نئی راہیں تلاش کر سکنے پر بھی قادر ہوں۔

ذریعہ تعلیم کیا ہو؟ یہ دوسرا بنیادی مسئلہ ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پچھلی دو صدیوں میں علوم و فنون کی رزمگاہ چونکہ مغرب ہی رہا ہے اس لیے ان زبانوں نے قدرتاً بے حد ترقی کی ہے اور ان میں اصطلاحات کا جو ذخیرہ آج ابھر آیا ہے، کوئی دوسری زبان اس میں ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ لیکن غور طلب یہ حقیقت ہے کہ کیا انگریزی، فرنچ اور جرمن زبان کی یہ قابلِ رشک ثروت آپ سے آپ اور ایک دن میں پیدا ہو گئی ہے۔ یا اس کے لیے ان قوموں نے باقاعدہ جدوجہد بھی کی ہے۔ اور ان کے باہمت اور نادرۂ روزگار دانشوروں نے اپنی زبانوں کی ترقی و تعمیر میں جانفشانیوں کا ثبوت بھی

دیا ہے۔ اگر یہ زبانیں کوشش، جدوجہد اور خدمات کے ذریعہ اس عروج تک پہنچی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اردو یہ مقام حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ اگر ہم اس کو آج ذریعہ تعلیم قرار دے لیں تو چند ہی برسوں کی محنت و کاوش سے یہ بھی دنیا کی علمی و فنی زبان کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو سکتی ہے۔ محنت، عزم اور سلیقہ شرط ہے۔ یوں بھی اپنی زبان میں تعلیم حاصل کرنا انسان کا وہ فطری حق ہے جس سے محروم رکھنا حد درجہ کا ظلم ہے۔ ہم جس آسانی کے ساتھ اپنی زبان میں معانی و مطالب کی پیچیدگیوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ دوسری کوئی زبان اس سہولت کا اہتمام نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں اچھے اچھے پڑھے لکھے حضرات جو علوم و فنون کی روح سے ناآشنا ہوتے ہیں اور ان میں عمر بھر کی محنت کے بعد بھی یہ بات پیدا نہیں ہو پاتی کہ علوم و فنون میں اجتہاد و اختراع سے کام لے سکیں تو محض اس بنا پر کہ انہوں نے علم کو بے حجابانہ اس کی اصلی شکل میں دیکھا ہی نہیں۔ بلکہ ان کی نگاہیں صرف اجنبی الفاظ و مصطلحات کے پردوں سے ٹکرا کے رہ جاتی ہیں۔ اور حریم معنی تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ یہی لوگ اگر علوم و فنون کو اپنی اصلی زبان میں پڑھیں اور زبانوں کا حجاب درمیان میں حائل نہ رہے تو پھر دیکھئے نتائج کتنے شاندار ہوتے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ پاکستان کے نوجوان ذہن و فکر کی قابلیتوں کے اعتبار سے کسی قوم سے پیچھے نہیں۔ یہ مٹی بقول علامہ اقبال کے بڑی زرخیز ہے۔ ان میں بھی نابغہ اور جینیس پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی اپنی بے نظیر صلاحیتوں کی بنا پر علم و معرفت کے قافلوں کی رہنمائی کے فرائض انجام دے سکتے ہیں مگر اسی صورت میں جب کہ حریم علم و معرفت میں انہیں براہِ راست داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔ اردو کے معاملہ میں حسنِ ظن اور خوش گمانی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دیکھنے میں اگرچہ یہ ایک سادہ سی زبان ہے۔ مگر درحقیقت اس میں تین مختلف زبانوں کا مستقل حصہ ہے۔ عربی الفاظ و ذخیرہ لغت میں جو تغیر و قبولیت کی صلاحیتیں ہیں اردو بھی اس سے مالا مال ہے۔ نیز فارسی کی شائستگی اور تراکیب کی ندرتوں سے بھی یہ محروم نہیں۔ اسی طرح ہندی کی شیرینی تو گویا اس کے خمیر میں داخل ہے۔ لہذا یہ زبان جس آسانی اور سہولت کے ساتھ علمی مصطلحات کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھال سکتی ہے۔ وہ آسانی اور سہولت کسی دوسری زبان کو حاصل ہونے والی نہیں۔

اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی تیسری وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ یہ صرف زبان ہی نہیں ایک تہذیب بھی ہے۔ اس میں ہمارا بہترین ادبی ذخیرہ ہے۔ ہماری تاریخ ہے، ہماری معیاری دینی کتابیں ہیں۔ علاوہ ازیں اس سے ماضی کی عظیم روایتیں وابستہ ہیں۔ پھر اس مسئلہ میں فیصلہ کن اور آخری نکتہ یہ ہے کہ یہ صرف تجویز ہی نہیں بلکہ عثمانیہ یونیورسٹی عملاً ثابت کر چکی ہے کہ نہ صرف آرٹس بلکہ مغربی طب، انجینئری اور سائنس کی اعلیٰ تعلیم بھی اردو میں دی جا سکتی ہے۔ اس کے نتائج اس سلسلہ میں اتنے شاندار ہیں کہ کوئی شخص ان سے انکار نہیں کر سکتا۔

---

مسئلہ اجتہاد اور اس کے حدود پر عرصہ ہوا پرویز صاحب سے ہماری بحث چھڑی تھی۔ ہمارا مقصد محض یہ تھا کہ اس